روح قرآن

تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ والعصر

معہ

توضیحات مجتہد العصر سید ابوالاعلیٰ مودودی

(و)

امام الاحرار احمد المعروف بہ ابی الکلام آزاد

(و)

مجاہد تنظیم عسکری علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی امیر جماعت خاکساران اطال اللہ عمرہم

(مصنفہ)

میر ولایت علی منتظم مالگزاری

اعظم پورہ حیدرآباد دکن

(اقبال)

ربیع الاول ۱۳۶۶ھ م اسفندار ۱۳۵۶ف م جنوری ۱۹۴۷ء

تعداد (۱۰۰۰) قیمت (۸/)

مطبوعہ

مطبع مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد

سورۂ فاتحہ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ۝ اٰمِین ۝

ترجمہ ۔ ہر نوع کی انتہائی تعریف خدا کو سزاوار ہے ۔ جو ہر عالم کا پروردگار ۔ انتہائی مہربان اور انتہائی رحم والا اور یوم جزا و سزا کا مختار مطلق ہے ۔ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ۔ ہمیں ایسے سیدھے راستہ پر چلا کہ جس پر چلکر لوگ انعام یافتہ ہوئے (منزل مقصود کو پہونچے) اون کا راستہ نہ ہو جن پر غضب نازل ہوا یا جو گمراہ تھے ۔

قرآن مجید خالق کائنات کی طرف سے انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے ۔ جو نہایت تفصیل و تبیان کے ساتھ ہے ۔ اس تمام تفصیل کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے جو اوپر درج ہے ۔ خود وحی الٰہی نے اس کو سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ کہا ہے (پ ۱۴ ع ۶) اور مہبط وحی نے

(... تفسیر کبیر ... فخرالدین رازی صاحب کی ...)

اُس کو ام القرآن یعنی ساری تعلیم قرآنی کا نچوڑ بتلایا ہے ۔ (بخاری ۔ تجرید الاحادیث صـ۲۲۲)

امام بیہقی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر کتابیں انبیاء سابقین پر نازل فرمائیں اون سب کی تعلیمات کو قرآن شامل ہے اور قرآن کا سارا علم اس کے دیباچہ سورۂ فاتحہ میں ہے ۔ (تاریخ القرآن اسلم جیراجپوری صـ۱۴۱) شیخ فاضل علامہ محمد عبدہٗ مفتی اعظم مصر فرماتے ہیں کہ "ہدایاتِ الٰہیہ کی مثال ایک عظیم الشان درخت کی سی ہے جو ظہور سے پیشتر ایک گٹھلی کی صورت میں تھا ۔ یہ اوس کی اجمالی موجودیت تھی ۔ اس کے بعد وہ اپنی تفصیلی موجودیت میں آتا ہے اور ایک عظیم الشان درخت کی ہیئت میں نمودار ہوتا ہے جو بڑی بڑی شاخیں پھل پھول پتے، پتیاں اپنی بغل میں رکھتا ہے ۔ اسی سنت الٰہیہ اور قانون طبعی کے بموجب سورۂ فاتحہ کتاب اللہ کا اجمالی مادہ ہے اور تمام قرآن حکیم اس اجمال کی تفصیل ہے ۔ (تفسیر سورۂ فاتحہ مولفہ علامہ رشید رضا آفندی مترجمہ ابو العلا محمد اسمعیل صاحب صـ۳۹)

پس خلاصۂ کلام میں تفصیل کے تمام بنیادی اجزاء کا موجود ہونا لازمات سے ہے اور خلاصہ ہونا بھی اس لئے ہے کہ تفصیل میں جو کچھ کہا گیا ہو اوس کو کم سے کم الفاظ اور جلد سے جلد وقت میں ذہن نشین کرایا جا سکے ۔ انسانی ذہن کی ساخت فطرت نے ایسی بنائی ہے کہ اوس کو تکمیل زندگی کے لئے دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے ۔

(۱) خالق کا عرفان (۲) خوشحالی کا میدان ۔

یہ وہ اہم اجزاء ہیں کہ کبھی ذہن انسانی سے جدا نہیں ہو سکتے ۔ خلاصۂ کلامِ ربانی میں ان ہر دو اجزاء کو انتہائی خوبی سے بیان کیا گیا ہے پہلے خدا

اور صفات خداوندی کا ذکر ہے۔ اور ایسا جامع ہے کہ دیگر صفات باری اس سے
باہر ہو ہی نہیں سکتیں۔ اور انسان کا غرور بھرا ذہن بھی ان صفات کو اپنی طرف
منسوب کرنے کی جرات نہیں پاتا پھر انسانی زندگی کے مدارج و احوال ہیں اور
ایسے حاوی ہیں کہ ان کے سوا کچھ اور ہونا ہی ممکن نہیں۔ انہی دو اجزا کو بعض
عرف عام میں "ایمان و عمل صالح" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس نے پایا اور رکھا
دوامًا بامراد رہا اور جس نے نہ دیکھا یا دیکھکر بھی چکھنے سے اعراض کیا وہ
نامراد مرا۔

صفات میں اس سے بڑھ کر کس اظہار کی ضرورت ہے کہ انسان ہی نہیں
ہر مخلوق کی زندگی کی ساری ضروریات کی فراہمی بلا کسی استحقاق کے صرف خالق
کائنات کے رحم و کرم سے ہونا واضح کرتے ہوئے رفتارِ زندگی کے نتائج کو کسی
کے اختیار میں نہ ہونے اور صرف خالق ہی کی ملک ہونے سے واقف کرایا جائے۔
یہ رحم و کرم اور جبر و قہر کی امتزاجی ربوبیت کا ہر زمانہ میں یکساں و متوازن ہونا
ہی اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ ایک وجود مطلق ہے جو علیم و سمیع و بصیر و
مدبر ہے اور ازل سے کارفرما ہے۔ پس یہی ذات جامع جمیع صفات
انتہائی تعریف کی سزاوار ہے اور اسی سے انسان کو تعلق خاطر ہونا چاہئے۔
یہ ناقابل شک و شبہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی تمام بڑائی کے دعووں کے
باوجود اس کے انکار سے ہمیشہ عاجز رہا اور ان اوصاف خداوندی کو چار
و ناچار مانتا رہا۔ اہل بصیرت کو زندگی سنوارنے کے لئے تو ظاہر ہے کہ اسی قدر
عرفان کافی ہے۔ لیکن چونکہ سب اہل بصیرت نہیں ہوتے اس لئے اہل بصارت
کے لئے لوح محفوظ کھولا گیا اور بتلایا گیا کہ دیکھو انسانی معاشرے کی تقسیم چار
حالات پر منقسم و مختتم ہے۔

(۱) عابدین　　　　(۲) ضالین

(۳) منعم علیہ　　　　(۴) مغضوب علیہ

سارا زمانہ چھان مارئیے تو ہر انسانی گروہ الفاظ کے تمام ہیر پھیر کے بعد بھی انہی چار کے مفہوم میں محدود ملیگا۔ پانچویں کی گنجایش ہی نہیں جس انداز سے غور کیجئے یہی ہوگا کہ :۔

(۱) کوئی اعلیٰ ہے کوئی اسفل۔ کوئی اسفل سے اعلیٰ کی طرف بڑھنے والا کوئی اعلیٰ سے اسفل کی طرف لڑھکنے والا۔

(۲) ایک بلند ایک پست۔ ایک پستی سے بلندی پر چڑھنے والا۔ ایک بلندی سے پستی میں اُترنے والا۔

(۳) غالب نیک اطوار۔ غالب بدکردار۔ مغلوب حوصلہ بردار۔ مغلوب جماد شعار۔

(۴) انعام یافتہ یا انعام خواہ۔ یا غضب رسیدہ یا گمراہ۔

(۵) فائز المرام یا رہرو منزل۔ یا ذلت نصیب یا بھٹک کر ذلت کے قریب۔

(۶) آزاد عادل۔ آزاد فاسق۔ آزادی خواہ۔ آزادی سے لاپرواہ

(۷) مقرب یا مردود۔ یا تقرب خواہ یا تقرب سے لاپرواہ۔

غرض قرآن پاک کہتا ہے کہ اللہ اور بندہ کے درمیان صرف یہی چار تعلق ہوتے ہیں۔ جب سے انسان موجود ہے یہی تعلقات رہے اور جبتک باقی رہے گا یہی تعلق رہے گا۔ اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔ اب بخشی ہوئی عقل سے کام لو۔ جزا و سزا کا اختیار مخلوق کے ہاتھ میں نہ ہونے کو محسوس کرو اور مخلوق کی بندگی سے بے نیاز ہو جاؤ۔ اگر سر بلند و اعلون نہیں ہو تو سمجھو کہ تمہارا رشتہ خالق سے مضبوط نہیں ہے۔ خود تمہارے ایمان و عمل

۔ بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام　　(ڈاکٹر اقبال)

میں باہمی اتحاد و یگانگت نہیں ہے۔ صاف مغائرت بلکہ مخالفت ہے زبان
حال سے ایمان کہتا ہے کہ "میرے مقابلہ میں عمل کی کوئی حقیقت نہیں جو کچھ
ہوں میں ہوں" اور عمل کہتا ہے کہ "ایمان کی کوئی ضرورت ہی نہیں یہ
کسی گوشہ میں چھپا رہے اور میں اپنا مظاہرہ کروں" غرض یہ دونوں آپس
میں دست و گریباں ہیں۔ دونوں انانیت کے مجسمہ بنے ہوئے دھینگا مشتی
کر رہے ہیں۔ کبھی ایمان عمل پر غالب آتا ہے اور کبھی عمل ایمان پر سوار ہو رہا ہے
ہر طرح داخلی بگاڑ ہے۔ اس حالت میں خارجی سدھار ممکن نہیں۔ پس اگر
چاہتے ہو کہ سربلند و اعلون رہو۔ انسانوں میں اشرف و افضل رہو۔ سید و سرافراز
رہو تو دل و زبان کو متحد کرو۔ ایمان و عمل کی دوئی کو مٹا دو "نَعۡبُدُ وَ
نَسۡتَعِیۡنُ" کا متحدہ رنگ جماؤ۔ سمجھو کہ عبادت و استعانت کا ملا جلا رہنا
کارآمد ہے۔ اس کا جدا جدا وجود کچھ مفید نہیں۔ ہاں اس کے تقدم و تاخر پر
بھی غور کرو کہ عبادت پہلے اور استعانت بعد ہے۔ پہلے عبادت یعنی تعمیل احکام
فطرت کرو پھر استعانت یعنی کامیاب ہونے کی دھن باندھو۔ یہ عابدین کا درجہ
ہے اور منزل پر پہونچنے کا قریب سے قریب تر راستہ۔ جب ان دونوں
امتحانات میں پورے اترو گے تو یقیناً منعم علیہ ہو جاؤ گے۔ علو و تمکن فی الارض
فضل خدا سے تمہیں استحقاقاً نصیب ہوگا کیونکہ یہ یقین کامل و عمل مناسب کا
طبعی نتیجہ ہے۔ نیز سیدھے راستہ پر چلنے کی عینی شہادت اور خدا کے عادل
و وعدہ وفا ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

جو یہ نہیں کرتے یعنی اپنی غلامی و محکومی پر ایسے قانع ہیں کہ اس کی
شرم تک محسوس نہیں کرتے اور اپنی کمزوریوں کے باوجود خدا پر بھروسہ رکھکر
اس سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتے انہیں خدا کے جناب سے کچھ نہیں

(اقبال)

مل سکتا۔ چونکہ وہ خدائی انعامات کے حصول کے قائل و کوشاں نہیں ہیں
اس لئے نہ وہ مومن ہیں نہ مسلم (خواہ زبانی دعوے کچھ ہوں) بلکہ صاف
مغضوب علیہ ہیں اور ہمیشہ ذلت و رسوائی کے گڑھے کے لئے مختص ہیں۔
(اگر مسابقت کا موقع ہو تو قوت ایمان و صلاحیت عمل کے لحاظ سے نتائج مترتب
ہوں گے۔ ناانصافی کسی کے ساتھ نہ ہوگی) ان تین گروہوں کے بعد چوتھا گروہ
ضالین کا ہے۔ ہدایت یافتہ ہونے کے بعد ہدایت سے بھٹک کر چل رہا ہے
گو بظاہر منعم علیہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کی زمین کا وارث نظر آرہا ہے۔ مگر حقیقتاً
منعم علیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انعامات در اصل اسکو نہیں ملے بلکہ اس کے آبا
واجداد کو اس وقت ملے تھے جب انہوں نے اپنے زمانہ کی دیگر جماعتوں کے
مقابلہ میں اپنی صلاحیت کا ثبوت دے کر خدا کو راضی و خوش کیا تھا۔ یہہ تو
صرف متروکہ پایا ہے اور افسوس ہے کہ متروکہ کی بھی قدر نہیں کرتا۔ مزید انعامات
کی خواہش و فکر تو یکطرف صداقت و عدالت پر قائم رہ کر اپنے کو سچا وارث
یا حقیقی منعم علیہ بھی ثابت نہیں کرتا۔ ملے ہوئے انعامات کے نشہ میں عیش و
عیاشی کے سرور میں خاکساری کے راستہ سے پلٹ کر کبریائی کرنے لگا ہے
بےکسی و بےبسی کے باوجود سب کچھ اپنے ہی کو سمجھنے لگا۔ فراعنہ و نمارود ہ
کی گمراہی پر چل رہا ہے۔ اب رحمت و مکرمت سے دور ہونے کو ہے۔ گمراہی
کی منزل غارِ غضب ہے۔ گمراہ یقیناً مغضوب ہوگا۔ دنیا کی روشن حقیقتوں سے
آنکھیں بند کرکے دولت و حکومت جیسے انعامات الٰہی کی ناقدری سے مست
و مدہوش چلنے والا ذلت و رسوائی کے گڑھے میں ضرور گرے گا۔ نقصان و
خسران ہاتھ لگیگا اور ہاتھ ملیگا کہ ہائے کیا ملا مگر یہ کب ہوگا۔ اوس وقت جبکہ
کوئی دوسرا گروہ اپنے ایمان و عمل کا رشتہ جوڑ کر اپنی صلاحیت کا ثبوت دے

ایک بھی غزنوی نہیں کارگہِ حیات میں — بیٹھے ہیں انتظار میں اہل حرم کے سومنات (اقبال)

عدل۔ رحم۔ رواداری۔ محبت۔ بے نفسی۔ بے غرضی جیسے اخلاق خداوندی
کو صاف بتلا دے۔ موسیٰ و ابراہیم وغیرہم علیہم السلام کی راست روی اختیار
کرے۔ لاریب ایمان کی منزل انعام ہے۔ مومن یقیناً اعلون ہوگا۔ عزیز، قوی
کریم، غالب، احکم الحاکمین جیسے صفات خداوندی کا تقرب ضرور پائے گا۔
پس خدا کو خالق و قدیر ماننے والو سنبھلے رہو۔ عملاً و معناً دونوں جہان کی
خوشحالی طلب کرو۔ زندۂ جاوید ہونے کی صحیح آرزو پیدا کرو۔ کب تک ماضی
کے خوبصورت الفاظ کے جامہ میں مگن رہوگے۔ معنی کی دنیا میں داخل ہو جاؤ
مفہوم پر نظر رکھو۔ قال سے بڑھو حال بنو۔ ہڈی کے اندر کے مغز سے سروکار
رکھو۔ یہی ایمان ہے۔ یہی اسلام ہے اس کو اختیار کروگے تو ضرور کامیاب و
بامراد ہوگے۔ خدا کا کلام اس قدر صاف اور واضح ہے کہ کسی چوں و چرا
کی گنجائش ہی نہیں۔ لیکن اگر دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں تو خدا نے
کان اور آنکھ بھی تو عطا فرمائی ہیں۔ زمانہ روز بتلا رہا ہے کہ جس پر خدا کا
عذاب نازل ہو رہا ہے۔ جس کو نقصان پہونچ رہا ہے وہ ایماندار نہیں ہے
وہ سچائی کا حامل نہیں ہے۔ اظہار سچائی پر، تکلیف پہونچنے پر صابر نہیں
ہے۔ اس لئے اسفل السافلین میں ڈھکیلا جا رہا ہے۔ اپنے غلاموں کا غلام
بن رہا ہے۔ پس اگر دونوں جہان کی خوشحالی چاہتے ہو تو ان کھلے ہوئے
واقعات کو دیکھ کر یا سنکر عبرت حاصل کرو۔ عمارت کا انہدام بنیاد کی کمزوری
کا نتیجہ ہے اور درخت کی شادابی جڑوں کی سلامتی کا ظاہر ثبوت ہے۔ مراتب
اربعۂ انسانیہ میں سے تین مراتب عابدین۔ ضالین۔ مغضوب علیہ کی تعریفات۔
کو کافی واضح سمجھ کر اس کی توضیح مزید کو نظر انداز کرتے ہوئے نعمت سے مراد
(محض روحانی و اُخروی نعمتیں ہی نہیں بلکہ) دنیاوی نعمتیں بھی ہونے کا مختصر

دنیا چو مطیع کنی طلسمے ست حلال   و بندۂ او شوی حرام است حرام (اشرقی)

ثبوت قرآن مجید کی چند آیات سے درج ذیل کیا جاتا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ کافی ہوگا۔

(۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں (پ ع ۳)

(۲) وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ۔

اور جب ہم انسان پر دنیاوی فضل و کرم کرتے ہیں (انعام دیتے ہیں) تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اور جب اوسکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ (پ۲۵ ع ۱)

قریب قریب یہی مضمون (پ۱۵ ع ۹ و پ۲۳ ع ۱۵ و پ۱۲ ع ۱۳ و پ۱۱ ع ۲) میں بھی مذکور ہے۔

(۳) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ۔

لوگو۔ وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے فائدے اور آرام کے لئے پیدا کردہ اشیاء کے سائے بنائے اور تمہاری پناہ کے لئے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کے مار سے بچائیں۔ خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو (پ۱۴ ع ۱۷)

اس سے ایک آیت بعد تاکید کے طور پر ارشاد ہے کہ لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ پھر دیدہ و دانستہ اون سے انکار کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اون میں سے اکثر ناشکر (کفرون) ہیں۔

(۴) يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۔

اے بنی اسرائیل میری اوس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانہ میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی۔ اور بالخصوص اس کو کہ میں نے تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی۔ (پ ۱ ع ۶ و ۱۴)

(۵) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "اے میری قوم کے لوگو اللہ کی اوس نعمت کا خیال کرو جو اوس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اوس نے تم میں نبی پیدا کئے۔ تم کو فرمانروا بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا (پ ۶ ع ۸)

مذکورہ بالا آیات سے دنیاوی آرام و آسائش کے اسباب اور بادشاہت زمین کا نعمتِ الٰہی ہونا صاف ظاہر ہے۔ اس مفہوم کی بیسیوں آیات ہیں جنھیں بخیال طوالت نظر انداز کیا گیا ہے۔ غرض سورۂ فاتحہ میں خوف و طمع کی دونوں صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ (اور یہی دو چیزیں انسان کی زندگی کا جزو لاینفک ہیں) مومن و مسلم کو ضلالت و غضب سے ڈرایا گیا ہے تو مغضوب و ضالین کو مومن و صالح بننے اور صراط مستقیم پر چلنے کے لئے انعامات کی ترغیب بھی دی گئی ہے،

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تونے اے واعظ — خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے (اقبال)

کوئی وجہ نہیں کہ جزاء و سزاء کو دنیا سے بے تعلق کرکے صرف آخرت کے لئے وقف کردیا جائے۔ اور دنیا میں ذلیل زندگی بسر کیجائے۔ (واضح رہے کہ خدا کے دنیاوی انعامات، خدا کی رضامندی کے بغیر نہیں مل سکتے۔ دنیاوی انعامات کا ملنا خدا کی رضامندی کا بیّن ثبوت ہے اور جب خدا دنیا میں راضی ہوجائے تو اُس کی آخرت کی بھلائی میں کیا شک کیا جاسکتا ہے۔ دنیاوی عطایا کا مستقل ہونا ہی آخرت کی بھلائی کے یقین کے لئے قطعی دلیل ہے۔ ہاں اگر تکمیل فرائض کی جد و جہد میں زندگی ختم ہوجائے اور دنیا ہی میں نعمتوں سے مالامال ہونے کا موقع نہ ملے تو بلحاظ اس کے کہ امتحانات میں پورے اُترنے کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی اور مخلصانہ جد و جہد سے نفس کا تزکیہ کیا گیا ایسے متقی افراد کی عاقبت بالیقین بخیر ہوگی کہ اونھوں نے اطمینان قلب کے ساتھ دنیا چھوڑی ہے اسلئے بشارت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ پ۴ ع۸ یہ بھی اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مصداق ہیں) ذلت و رسوائی کی غیر متقیانہ زندگی بسر کرکے محض خیالی جنت کے تصورات میں کافرانہ زندگی گزارنا مردِ مومن کی شان کے خلاف ہے۔ پس ہر شخص کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ وہ جس جماعت کا رکن ہے وہ جماعت آج مذکورہ (۴) طبقات میں سے کس طبقہ میں شمار ہوسکتی ہے اور اب اوس پر اتحاد، تنظیم، اخوت و ہمدردی کی کتنی عظیم ذمہ داری عائد ہے۔ اور وہ کیا کر رہا ہے۔

دُعا خداوندا تو ہمیں علم صحیح و عمل صالح کی توفیق عطا فرما اور اس کے عمدہ نتائج کا مشاہدہ جلد کرا اور حقیقی اطمینان کے ساتھ دنیا سے اُٹھا۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؛

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ والعصر

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (پ۳۰ ع ۲۸)

ترجمہ۔ زمانہ گواہ ہے کہ غیر ایماندار لوگ نقصان میں ہیں اور صرف وہ لوگ نقصان سے محفوظ ہیں جو ایمان رکھتے اور صلح و مصالحت کے عمل کرتے ہیں نیز ایک دوسرے کو سچائی کی تبلیغ کرتے اور تکالیف تبلیغی کو برداشت کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہیں۔

اس چھوٹی سی سورۃ شریفہ میں سارے کلام اللہ کا لب لباب اس عمدگی اور خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو دنیائے اسلام میں ایک ممتاز اور اعلیٰ شخصیت رکھتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر کلام اللہ نازل نہ ہوتا اور صرف یہی ایک سورۃ نازل ہوئی ہوتی تو سارے جہان کی اصلاح حال کے لئے کافی تھی" (تفسیر بیان القرآن صفحہ ۱۹۸) تعجب ہے کہ اس قدر اہمیت والی سورۃ کو ہم مسلمان روزانہ تلاوت کرتے ہیں مگر حالات کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اس کا واحد سبب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے حقائق عالیہ پر ہماری نظر نہیں ہے۔ ہم صرف سرسری طور سے اس پر سے گذر جاتے ہیں یا بعض حضرات جو گہری نظر ڈالتے بھی ہیں تو اس کے حقائق کو دنیا کی زندگی سے غیر متعلق قرار دے کر صرف مرنے کے بعد والی

دوسری زندگی سے متعلق سمجھ کر دیگر غضب یافتہ امتوں کی طرح وہاں کی خوشحالی کے تصور سے پرامید ہو جاتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل یہ خیال آرائی نزولِ قرآن مجید کی شان اور امام موصوف کے قول کی روشنی میں بالکل غلط اور اصلاح حال کے لئے قطعاً غیر مفید ہے۔ قرآنِ مجید انسانی زندگی کو دنیا میں عمدگی سے چلانے کا دستور العمل ہے اور جب اس سورۃ کو سارے قرآن مجید کا قائم مقام کہا جاتا ہے تو اس سے یہی لازم آتا ہے کہ صرف اسی ایک صورت میں انسانی زندگی کا پورا دستور العمل اجمالاً موجود ہے۔ اگر ہم خوش اعتقادی کی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر عقلِ سلیم کی روشنی میں ٹھنڈے دل سے غور کریں تو اسکی بلاغت واقعی اس نتیجہ پر پہونچاتی ہے کہ اس کے حقائقِ عالیہ انسانی زندگی کو سنوارنے کے لئے کافی و وافی ہیں۔

اس مختصر مگر اہم سورۃ کا مقصد نزول مختصر سے مختصر الفاظ میں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں انسانوں کی دو "اصولی" قسمیں ہیں۔ ایک "بدکار" جو غضب الٰہی میں گرفتار ذلت و رسوائی اور محکومی و غلامی میں بسر کرتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (پ۲۸ ع۳) اور دوسرے "نکوکار" جو انعامات الٰہیہ سے مالامال، عزت و وقار اور خوشحالی و آزادی کی زندگی گذارتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ۲۸ ع۳)

یہ وہ بنیادی بات ہے کہ قرآن مجید کی تمام تفصیلات اسی کی متعلقات ہیں۔ نقصان پانے والے بدکاروں اور فائدہ اٹھانے والے نیکوں کی بہت سے ذیلی اقسام ہیں۔ جس کی تفصیل قرآنِ پاک میں جابجا بالوضاحت بیان کی گئی ہے۔ اُن تمام ضخیم تفصیلات کا خلاصہ ان تین آیات میں جو صرف (۲۰) لفظوں پر مشتمل ہیں اس جامعیت اور خوبی سے بیان کیا گیا ہے کہ اسکو

سمجھ لینے کے بعد اصلاحِ حال کے لئے واقعی پھر کسی دلیل و بُرہان کی ضرورت نہیں رہتی۔ پہلی آیت میں صرف ایک لفظ " والعصر " ہے۔ دوسری میں دو لفظ " الانسان " اور " خسر " ہیں۔ اور تیسری میں چار لفظ " اٰمنوا " " عملوا الصّٰلحٰت " " تواصوا بالحق " " تواصوا بالصبر " ہیں۔ ان سات الفاظ کا مختصر مجموعہ عجیب و عظیم انقلابات کا حامل ہے مگر مرورِ زمانہ کے باعث ہماری غافل بصیرتیں اس کو پا نہیں رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس پر کے غلاف ہٹا کر اس کی اصلیت کو اس طرح واضح و نمایاں کیا جائے کہ واقعتاً اصلاحِ حال کے لئے مفید و کارآمد ہو سکے

پس ان ساتوں الفاظ کی تشریح درج ذیل ہے۔

وَالعَصر

وَالعَصر کے معنیٰ ہیں " قسم ہے زمانہ کی " یعنی زمانہ گواہ ہے اس دعوے پر جو آئندہ کی دو آیات میں نوعِ انسان کی پیدائش سے آجتک کے نفع و نقصان، عزت و ذلت اور عروج و زوال سے متعلق بطور ایک قانونِ قدرت کے بیان کیا گیا ہے۔ اتنے اہم دعوے کے لئے دلیل و شہادت بھی ایسی ہی قوی اور مسکت ہونی چاہیئے تھی کہ ازازل تا ابد ہر وقت نظروں کے سامنے رہے اور کسی کو لاعلمی کا عذر لنگ پیش کرنے کی گنجائش نہ ملے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے سوائے زمانہ کے اور کوئی شہادت کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے زمانہ ہی کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر وقت و ہر زمانہ میں نفع و نقصان اور عروج و زوال کے خدائی فیصلوں کو سمجھنے کے لئے نہیں بلکہ اپنی زندگی کے حال و احوال کو نقصان سے بچانے اور فوائد سے مستفید ہونے کے لئے ہر آن کارآمد ہو۔ اور نتیجۃً آخرت کی خوشحالیاں بھی نصیب ہو سکیں۔ آخرت کی

زندگی اسی دنیاوی زندگی کا انجام ہے۔ اس لئے اوس مستقبل کو اس حال
کی زندگی سے کسی طرح الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اوس خبر کی یہ مبتدا ہے۔ خبر کو مبتدا
سے جدا کرنا مطلب کو خبط کرنا ہے۔ پس دونوں جہان کے نقصان سے محفوظ
رہنے کے لئے اسی دنیاوی زندگی کے نشیب و فراز کو بتلا کر اصلاح حال کی ترغیب
دی گئی ہے تاکہ دونوں جہان کی خوشحالیوں کی آرزو کرنے والوں کو صحیح راہِ عمل
مل جائے۔

(اس امر کے ثبوت کے لیے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے عدل و انصاف سے
ہو رہا ہے۔ جس کو جو کچھ دیا جا رہا ہے استحقاقاً دیا جا رہا ہے اور جس سے جو کچھ
واپس لیا جا رہا ہے سزاً لیا جا رہا ہے۔ اس لیئے ہیں کسی پر ظلم نہیں کیا جا
رہا ہے۔ قرآن پاک کے چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

(۱) اللہ نے زمین و آسمان کو حکمت سے بنایا ہے (بالحق) تاکہ ہر کوئی
اپنی کمائی کا بدلہ پائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ہے۔ (پ۲۵ ع ۱۹)

(۲) ہر آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی میں پھنسا ہوا ہے (پ۲ ع ۳) و (پ۲۹ ع ۶)

(۳) خدا ہرگز ایسا نہیں ہے کہ اپنے بندوں پر (دنیا و آخرت میں) ظلم
کرے (پ۱ ع ۸) و (پ۲۴ ع ۲۰)

(۴) کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں کہ پہونچا اون پر ہمارا عذاب راتوں رات
یا دوپہر کو سوتے ہوئے ...... پس جس کسی (کی نیکیوں) کا پلہ بھاری
ہوا سو وہی ہیں کامیاب۔ اور جس کسی (کی نیکیوں) کا پلہ ہلکا ہوا تو یہ وہ
لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ کیونکہ وہ ہماری آیتوں
کے ساتھ ظلم (ناانصافی) کرتے تھے۔ (پ۸ ع ۸) و (پ۱ ع ۶)
و (پ۳۰ ع ۲۶)۔

١٥

اَلاِنسَان

کائناتِ عالم کی کروڑہا مخلوق میں انسان ہی ایک ایسی عجیب و غریب مخلوق ہے کہ کائنات کی ہر نوع کی مخلوق کو اپنے قابو میں رکھکر استفادہ کرتا ہے۔ دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اس کو اپنے قابو میں رکھکر اس سے کام لے۔ یہہ فی الحقیقت خدا کا نائب ہے کہ اوصافِ خداوندی کا سب سے زیادہ حامل ہے اور اسی کی بدولت تمام مخلوق سے اشرف و افضل ہے۔ مٹی۔ پانی۔ آگ۔ ہوا۔ سانپ شیر۔ ہاتھی وغیرہ وغیرہ کوئی نہیں جو اس کی دسترس سے باہر ہوں۔ سب اسی کے خدمتگار ہیں۔ اس خاک کے پتلے میں خدا کی ایسی طاقتیں ہیں کہ خدا کا نائب بن کر خدائی کر رہا ہے۔ المختصر بعد از خدا بزرگ ہے۔ مگر اس کی یہ ساری کبریائی اپنے سے کمتر مخلوق جمادات، نباتات، حیوانات تک محدود ہے۔ یہ خود اپنے حق میں من حیث الکل کیا ہے؟ کون ہے؟ کیوں ہے؟ کہاں سے آیا؟ کہاں جائے گا؟ یہ ایسے پرپیچ سوالات ہیں کہ انسان کا محدود علم ان کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ ان معلوماتِ الٰہیہ کو الٰہی کارندوں اور مذہبی پیشواؤں نے کسی حد تک سمجھانے کی کوشش کی۔ سمجھایا اور بتلایا کہ دیگر مخلوقات سے قطع نظر خود تمہاری ہی نوع میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک بدکار، دوسرے نکوکار نیکوں میں مومن ہیں، مسلم ہیں، متقی ہیں، صلحا ہیں، شہدا ہیں، صدیق ہیں نبی ہیں، رسول ہیں، مقربین بارگاہِ الٰہ ہیں۔ اس خاکی پتلے کے مراتب قرب کا یہ حال ہے کہ جب راہِ خدا میں اصلاح قوم کے لئے کمرِ ہمت باندھ لیتا ہے تو اس کی آواز خدائی آواز ہوتی ہے۔ اس کا حکم خدا کا حکم ہوتا ہے۔ اسکی رضامندی خدا کا انعام ہوتی ہے اور اس کی خفگی خدا کا غضب ہوتی ہے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (اقبال)

اور بدوں میں جھوٹے ہیں۔ مفتری ہیں، مشرک ہیں، ظالم ہیں، فاسق ہیں مفسد ہیں، شیطان کے بھائی ہیں، جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بدتر اور پتھروں سے بھی کمتر ہیں۔ الغرض تخلیقاً بہترین ہونے کے باوجود عملاً مجموعۂ اضدادِ حسن و قبح ہے۔ اگر ایک طرف باعتبار صفاتِ حسنہ مسجودِ ملائک ہے اور زمین کا مالک ہو کر آسمانی منزلیں بھی طے کر لیتا ہے تو دوسری طرف باعتبار صفات سئیہ عبد الطاغوت بھی ہے اور زمین اپنی کافی وسعت کے باوجود بھی تنگ ہو جاتی ہے اور بندوں کا بندہ بنکر زندگی کے دن گذارتا ہے۔ اسی مقام نظر سے سورۂ زیرِ بحث میں زمانہ کی شہادت (جو انسان کے نزولی و عروجی دونوں حالات پر مشتمل ہے) دیگئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہر انسان نقصان میں نہیں ہے بلکہ "الانسان" یعنی انسانوں میں صرف وہ لوگ نقصان میں ہیں جو ایمانداری و راست بازی سے ہٹ کر کفر و فسق و ظلم و نفاق کی زندگی بسر کرتے ہیں عام ازینکہ اون کے ایمان و اعتقاد کے جھوٹے دعوے بنی اسرائیلی مومنین کی طرح کتنے ہی بلند آہنگ ہوں یہ لوگ اللہ کو اور دنیا والوں کو دھوکہ دے کر پیٹ پالنا اور عیش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس ذلیل ذہنیت اور غلط عمل کی بدولت (سوائے چند روزہ مہلت کے) ہمیشہ گھاٹے ہی میں رہتے ہیں۔

خُسر

خُسر کے معنی نقصان ہیں۔ نقصان دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نقصان کی ابتدا، اس دنیا میں ذلت و رسوائی، محکومی و غلامی ہے اور انتہا آخرت کا جہنم ہے۔ ثبوت میں قرآن پاک کی چند آیات درج ذیل ہیں۔

(۱) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو اونہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ سخت عذاب ہوگا۔ اور کوئی بھی اون کا مددگار نہ ہوگا۔ اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔ (پ۳ ع ۱۴) و (پ۳ ع ۱۴)

(۲) وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اوسکی تلاوت (یعنے پیروی) کرتے ہیں جیسا اوسکی تلاوت (یعنی پیروی) کرنے کا حق ہے۔ وہی اوس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اوس کا کفر (یعنی نا قدری و نافرمانی) کرتے ہیں۔ وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (پ۱ ع ۱۴)

(۳) اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤگے تو بدل دے گا دوسری قوم (یعنی غیروں کو تم پر مسلط کر دے گا) جو تمہاری طرح کے (روگردانی کرنے والے) نہ ہوں گے۔ (پ۲۶ ع ۸) اور تم اون کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے۔ (پ۱ ع ۱۲)

(۴) اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کر دیتے اون سے اون کی برائیاں (بدحالیاں) اور اون کو داخل کرتے نعمت کے باغوں (جنت النعیم) میں۔ اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا اون پر اون کے رب کی طرف سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔ کچھ لوگ اون میں ہیں سیدھی راہ پر (مقتصد) اور بہت سے اون میں برے کام کر رہے ہیں۔ (پ۶ ع ۱۳)

(۵) اللہ کا طریقہ ہے جو اوس کے بندوں میں چلا آیا ہے کہ یہاں (دنیا میں) کافر گھاٹے میں رہے (پ۲۴ ع ۱۴)

(۶) ہم نے جہنم کو تیار کیا ہے کافروں کی مہمانی کے لئے۔ کہو کیا ہم بتائیں تم کو۔ کن کے اعمال ضائع ہوئے۔ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اکارت گئی

[illegible]

دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں۔ (پ۱۶ ع ۳)

(۷) صبر کر ..... کیا فاسق قوم کے سوا کوئی اور ہلاک ہوتے ہیں۔ (پ۲۶ ع ۴)

(۸) اللہ ظالم قوم کے سوا اور کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ (پ۷ ع ۱۱)

(۹) یقیناً ہم ہلاک کر چکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے۔ جب وہ ظالم ہو گئے حالانکہ اون کے پاس اون کے رسول کھلی نشانیاں لائے تھے اور وہ ہرگز نہ تھے ایمان والے۔ یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم مجرم قوم کو (پ۱۱ ع ۷)

(۱۰) اللہ پاک نے پارہ (۶) رکوع (۱۱) میں کافر، ظالم، فاسق کے تینوں الفاظ کا استعمال ایک ہی انداز سے فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی کافر ہیں ...... وہی ظالم ہیں ...... وہی فاسق ہیں۔

اسی طرح اللہ پاک کی دوستی اور ہدایت کے متعدد مواقع پر بھی یکساں استعمال ہے کہ اللہ کافروں کو، ظالموں کو، فاسقوں کو دوست نہیں رکھتا اور انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

صراحت بالا سے ظاہر ہے کہ کافر، ظالم، فاسق، مجرم سب شیطانی احکام پر عمل کرنے والے دنیا و آخرت دونوں جہان میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

آمَنُوا

ایمان عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی "زوال شک اور یقین کامل" کے ہیں۔ اس کا راست تعلق دل سے ہے جیسا کہ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ

الْاِیْمَانُ (پ ۳۰ ع ۳) اور وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ
(پ ۲۶ ع ۱۴) سے ظاہر ہے ۔ انسان کا دل ہی وہ نشیمن فکر و خیال ہے جہاں سے
صدورِ فعل کا ارادہ پیدا ہوکر پرورش پاتا اور بروئے عمل آتا ہے۔
ہر کام کے آغاز سے پہلے دل کے اندر جب تک ایمان یقین اقرار اور
اطمینان نہ ہو کوئی کام مستقل طور پر نہیں کیا جا سکتا اور اس لئے کسی کامیابی
کے مرحلہ پر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پس زندگی کی گاڑی کو اچھی منزل پر پہنچانے کے
لئے کائنات کی صداقتوں اور نیکیوں کو ماننا ازبس لازمی ہے۔ اس ماننے کا
بالواسطہ تعلق عمل سے جز و لاینفک کی طرح ہے کیونکہ قلبی یقین کا ہونا اوس
یقین کے مطابق صدورِ فعل کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے! اوس کے
خلاف کوئی حرکت سرزد ہو نہیں سکتی۔ اگر قول و فعل میں اختلاف ہو تو یہ اختلاف
قلبی تصدیق کی شہادت نہیں بلکہ تکذیب کی علامت ہے۔ اللہ کو دل سے ماننے
کا اقرار کرنا اور عمل سے شیطانی گروہ میں شامل رہنے کا ثبوت دینا دھوکہ اور
فریب ہے۔ یہ عملی کفر، ایمان قلبی کا نتیجہ نہیں بلکہ خواہشات نفسانی کا طبعی نتیجہ
ہے جو وحیٔ الٰہی کی ضد ہے۔ ایسا ماننا نہ صرف یہ کہ بے قیمت ہے۔ بلکہ گناہِ
کبیرہ اور خدا کی سخت ناراضی کا موجب ہے۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ
تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (پ ۲۸ ع ۹)

کسی زمانہ میں بنی اسرائیلی مومنین یعنی موسوی امت کا یہی حال تھا کہ وہ
کلام اللہ یعنی توریت کی ظاہری تعظیم کرکے اوس کے احکام کی تعمیل سے لاپرواہی
برتتے تھے تو خدا نے فرمایا کہ اونکی مثال ایسے گدھے کی ہے جو پیٹھ پر کتابیں
لے چلتا ہے۔ (پ ۲۸ ع ۱۱) کیا یہ مثال صرف توریت والوں ہی کے لئے مختص
ہے۔ دوسری کتابوں والے بھی صفات میں انہی کے مشابہ ہو جائیں تو ان پر

صادق نہیں آتی؟ افسوس کہ سمجھنے والے بہت کم اور وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ کے مصداق ہیں۔

قرآن حکیم نے کہیں ایمان لانے والوں کو متقی کہا ہے اور کہیں متقی کے اوصاف ایمان و اعمال حسنہ بتلائے ہیں۔ (پ۲۴ ع ۱ و پ۱ ع ۱)

اس مقام نظر سے ایمان اور تقویٰ ایک ہی چیز ہے۔ یعنی دماغی تصور ذہنی ارادہ، قلبی تصدیق، نیک نیتی، عزم راسخ اور اعمال حسنہ کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ اعضاء و جوارح کے عمدہ حرکات ایمان کا طبعی نتیجہ ہیں۔ اچھائیوں کو چھوڑ کر مومن بنے رہنا عند اللہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

وضاحت مزید کے لئے ارشادات خداوندی ملاحظہ ہوں۔

(۱) یقیناً وہ لوگ ایمان والے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے (زبانی اقرار کرتے ہیں) پھر کچھ شک نہیں کرتے (قلبی تصدیق بھی رکھتے ہیں) اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ (یعنی اعضاء و جوارح کے عمل سے شہادت بھی دیتے ہیں) یہی سچے ہیں۔ (پ۲۶ ع ۱۴)

(۲) یقیناً ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب انہیں آیات الٰہی سنائی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور اللہ نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ وہی ہیں سچے ایمان والے۔ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے اور حفاظت (مغفرت) اور عزت والا رزق ہے (پ۹ ع ۱۵)

(۳) جس دن تیرے رب کے بعض نشان آئیں گے اوس دن کسی شخص کو اوس کا ایمان نفع نہ دے گا۔ . . . جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی (پ۸ ع ۶)۔

(۴) جو کوئی کفر کرتا ہے ساتھ ایمان کے (یعنی مومن ہوکر بھی ایمان کی ناقدری کرتا ہے) خدا کے احکام کی جان بوجھ کر بلا مجبوری نافرمانی کرتا ہے۔) پس تحقیق کہ اوس کے اچھے عمل (اس دنیا کی زندگانی میں) ضایع ہو گئے اور وہ آخرت میں بھی نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ (پ۶ ع ۵)

(۵) کیا لوگ اس گمان میں ہیں کہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں اور اونہیں آزمایا نہ جائے گا۔ (پ۲۰ ع ۱۳)

ان آیات سے واضح ہے کہ اعمال حسنہ کو ایمان کے مفہوم سے کسی طرح جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جس مومن میں تقویٰ نہ ہو۔ خشیت خدا نہ ہو، اعمال حسنہ نہوں وہ سچا مومن ہرگز نہیں ہے۔

بہ سلسلۂ آیات احادیث ذیل بھی ملاحظہ ہوں۔

(۱) ایمان تصدیق قلبی۔ اقرار زبانی اور عمل اعضاء کا نام ہے۔ ابن ماجہ طبرانی۔ فردوس دیلمی، تجرید الاحادیث صفحہ (۱۱۵ و ۱۱۶)

(۲) ایمان قول و عمل ہے۔ یہ دونوں بھائی اس میں شریک ہیں۔ فردوس دیلمی۔ تجرید الاحادیث صفحہ (۱۱۷)

غرض ایمان میں عمل شامل ہے اور ایمان کو کسی خاص قوم اور کسی خاص زبان سے کوئی خصوصی تعلق بھی نہیں ہے۔ دنیا کی ہر زبان میں اس کا مفہوم اور اس کا مترادف لفظ موجود و مستعمل ہے۔ اور ایمان باللہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ انسان کے خمیر ہی میں گوندھ دیا گیا ہے۔ الستُ بربکم

قَالُوْا بَلٰی (پ ۹ ع ۱۲) شاہد ہے۔ ہر انسان مفہوم ایمان کو قلب کے
اندر لیکر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنی اصطلاح میں اوس کا اقرار بھی کرتا ہے۔ فرق
صرف یہ پڑتا ہے کہ اپنے قول کو فعل کے مطابق نہیں کرتا۔ ایماندار کہلانے پہ تو
فخر کرتا ہے مگر فسق و فجور (عملی کفر) چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسے ناکارہ ایمان
والے ہر زمانہ میں اور ہر امت میں ہوتے ہیں۔ جب کسی امت میں ایسے افراد کی
کثرت ہو جاتی ہے اور لوگ باپ دادوں کے کارناموں پر فخر کر کے جھوٹی امیدوں
میں مگن ہو جاتے اور الفاظ کی روح کو منطبق کرنے کی بجائے محض الفاظ اور
نسل و نسب پر ناز کرنا شعار ہو جاتا ہے تو قدرت کے اٹل قانون کے بموجب اوس
قوم کی ذلت و رسوائی کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کے پاس محض الفاظ
کی کوئی قیمت نہیں الفاظ کی روح یعنی اوس کے مطابق صحیح عمل کی قدر ہے
پس ہر شخص اور ہر قوم کو اپنی اصطلاحی خوش اعتقادی میں مگن رہنے کی بجائے
اوس کے وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھکر غور کرنا چاہیئے کہ اوس کا صحیح اطلاق
فی الحقیقت کہاں ہو رہا ہے اور کہاں نہیں۔

باختلاف روایات ایمان کی کم و بیش ستر شاخیں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ
جو بات ایمان کی شاخ ہوگی اوس کی مخالف بات کفر کی شاخ ہوگی۔ مثلاً
اگر حیا ایمان کی شاخ ہے تو بے حیائی کفر کی شاخ ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد
ہوتا ہے کہ "ایمان قمیص کی طرح ہے کبھی تو اسے پہنتا ہے اور کبھی اتارتا ہے
تجرید الاحادیث ص ۱۱۵" دوسرا ارشاد ہے کہ "ایمان قول و عمل ہے زیادہ و کم
ہوتا ہے جس نے اس کے خلاف کہا وہ مبتدع ہے۔ فردوس دیلمی۔ تجرید الاحادیث
ص ۱۱۶" پس اگر ایمان کی ستر شاخیں ہیں تو کفر کی بھی ستر شاخیں ہوئیں اور جب
کفر و ایمان کی اتنی زیادہ شاخیں ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر جماعت میں

افراد میں کچھ شاخیں ایمان کی ہوں اور کچھ کفر کی۔ اس کے جانچنے کے لئے کہ ایمان کے اعمال بہت ہیں یا کفر کے اعمال زیادہ ہیں۔ اللہ پاک نے میزان بنائی ہے جس میں اعمال تو لکر مجموعی جانچ کے بعد حکم لگایا جاتا ہے کہ مومن کون ہے اور کافر کون اور حصول عبرت کے لئے ہمیں سمجھایا جاتا ہے کہ اے انسان دیکھ "جس کسی کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کسی کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا اوس کا ٹھکانا ہاویہ ہے اور تو جانتا ہے کہ وہ کیا ہے (سن لے) وہ جلتی ہوئی آگ ہے" (پ ۳۰ ع ۲۶) بے شک ہمارا ایمان ہے کہ ماضی۔ حال مستقبل ہر زمانہ کے لئے خدا کا یہ اٹل قانون ہے کہ ہر فرد و جماعت کا استحقاق جانچ کر جزا مرتب کی جاتی ہے۔ مگر یہ میزان خدا کی ہے اور خدا ہی کے پاس ہے۔ اندھے انسان اس کو قطعاً نہیں دیکھ سکتے بلکہ اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ البتہ اہل بصیرت کے لئے اس کی دید دشوار بھی نہیں ہے۔ خدائے پاک نے اسکو سمجھنے اور دیکھنے کی ایک اور میزان انسان کے ہاتھ میں دی ہے اور وہ یہی آیت زیر نظر ہے کہ اِنَّ الْاِنسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی کسی کو جو کچھ نقصان پہونچ رہا ہے وہ اس کے کفر کی وجہ سے ہے اور جس کسی کو جو کچھ فائدہ پہونچ رہا ہے وہ اس کے ایمان کی بدولت ہے۔ پس اس میزان سے جماعتوں کے اعمال کے نتائج برآمدہ کو دیکھ کر ایماندار ہونے نہ ہونے کا یقین حاصل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک بانگ دہل کہتا ہے کہ اللہ اون کا کارساز (مولا) ہے۔ جو ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے لئے کوئی کارساز (مولا) نہیں ..... جو کافر ہیں وہ چند روزہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چارپائے کھاتے ہیں اور آگ اون کا ٹھکانا ہے (پ ۲۶ ع ۵ و ۶)

کس قدر عبرت انگیز نصائح ہیں۔ خدا فہم صحیح عطا کرے۔

عَمِلُوا الصّٰلِحٰت

صالح کا مادہ صلح ہے۔ جس کے معنی برائی کو دور کرنے کے ہیں اور صلاح فساد کی ضد ہے۔ ان دونوں لفظوں کا اکثر استعمال افعال میں ہے۔ صالح وہ ہے جس کے افعال میں کوئی فساد نہ ہو بلکہ ذاتی نیکی ونکوکاری سے آگے بڑھ کر فسادی فریقین میں صلح ومصالحت کرادے۔ متفرق کو متحد کرے۔ جس کسی میں ایمانداری و راست بازی کے ساتھ ساتھ یہ صفت قایم ہو جائے وہی انعامات الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس خصوص میں آیات ذیل قابل ملاحظہ ہیں۔

(۱) کیا ہم اون لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اون لوگوں کے برابر کردیں گے جو فساد مچائیں زمین میں۔ (پ ۲۳ ع ۱۲) (اس آیت میں صالحین اور مفسدین کا تقابل عیاں ہے)

(۲) جو کوئی کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام (معروف) کو یا لوگوں میں صلح کرانے کو (اصلاحٍ بین الناس) اور جو کوئی یہ کام اللہ کی خوشی کے لئے کرے تو ہم اوس کو بڑا ثواب دیں گے (پ ۵ ع ۱۴) (اس آیت میں لوگوں میں مصالحت کرانے کو دوسرے نیک کاموں (معروف) سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے)

(۳) فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (پ ۸ ع ۱۱) پس جو متقی اور صالح ہوا اون پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (اس آیت میں بھی صالح ہونے کو تقویٰ اختیار کرنے سے الگ بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح پارہ (۵) رکوع (۱۲) میں وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگار کرتے رہو۔ کہا گیا ہے۔)

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (اقبال)

(۴) اگر مومنین کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو
(فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۔ پ ۲۶ ع ۱۳)

(۵) اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرو اور اللہ اور رسول کا حکم مانو اگر ہو تم ایمان والے (پ ۹ ع ۱۵)

(۶) مت فساد مچاؤ۔ زمین میں اوسکی اصلاح کے بعد اور پکارو پروردگار کو ڈر اور طمع سے۔ بیشک اللہ کی رحمت قریب ہے احسان کرنے والوں سے (پ ۸ ع ۱۴)

(۷) اطاعت نہ کرو بے باک لوگوں (مسرفین) کی جو فساد مچاتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے۔ (پ ۱۹ ع ۱۲)

(۸) تحقیق کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہی ہوتے ہیں (پ ۱۷ ع ۷) اور پارہ (۵) رکوع (۱۶) میں آپس میں صلح کر لینے کو بہترین چیز کہا گیا ہے (وَالصُّلْحُ خَيْرٌ)

(۹) پارہ (۱۱) رکوع (۳ و ۴) میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے ہر کام کو عمل صالح کہا گیا ہے۔

حدیث۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ آپس میں اصلاح کرنا روزہ صدقہ اور نماز سے بھی زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ آپس کا فساد دین کا صفایا کر دینے والی چیز ہے۔ (تلخیص الصحاح جلد چہارم صفحہ ۸۸ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

شہادت مذکورہ سے صاف عیاں ہے کہ عمل صالح کا مفہوم اعمال حسنہ سے بہت بلند ہے۔ گذشتہ باب "اٰمَنُوْا" میں جو آیات پیش کی گئی ہیں اون سے بھی یہی ظاہر ہے کہ نماز، روزہ، زکواۃ وغیرہ اعمال حسنہ تو مومن کے لوازمات زندگی ہیں۔ ہر مومن کو لازمًا نیک ہونا ہے اور اس طرح امن پسند لوگوں

کا ہر نیک عمل بلکہ ان کی ہر حرکت عمل صالح کی تعریف میں داخل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ
ان کا وجود اور ان کے اعمال موجب فتنہ و فساد نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے
اہل مدعیان ایمان کے نیک عمل جو وجود ایمان کے ساتھ ساتھ فسق و فجور میں
مبتلا اور ظلم و عدوان کے مجرم ہوتے ہیں۔ عمل صالح نہیں کہلاتے۔ اسی لئے قرآن
کریم میں اٰمَنُوْا کے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی بار بار تکرار ہوئی ہے
جو بہت زیادہ غور و فکر کی محتاج ہے مگر افسوس کہ آج صالح کا لفظ نہایت سطحی
معنی میں سمجھا جاتا اور استعمال کیا جاتا ہے۔ آج ہر داڑھی رکھنے اور نماز پڑھنے
والے کو مرد صالح کہا جاتا ہے اگرچہ کہ اوس کی نماز موجب فساد بین المومنین ہی
کیوں نہ ہو۔ نماز تنہا پڑھنا، بلا خشوع و خضوع پڑھنا، گھر پر پڑھنا، یا مساجد میں
غیر موزوں امام کے ساتھ رسمی جماعت کرنا، روزے رکھنا مگر ہمدردی و غمخواری اختیار
نہ کرنا، زکواۃ کو انفرادی طور پر تقسیم کرنا، حج کرنا اور حاجی پن نہ چھوڑنا، ہتھیاروں
سے ہر دم لیس رہنا مگر وقت پر اوس کا صحیح استعمال نہ کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب
اعمال عمل صالح کی تعریف سے قطعاً علیحدہ اور کوسوں دور ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ
ان تمام اعمال کو مقتضائے وقت اور جماعتی مصلحت کے تقاضے سے اعمال حسنہ
کی تعریف میں داخل کیا جائے اور ان کے عامل کو نیک مرد شمار کیا جائے مگر قرآنی
اصطلاح میں ایسا مخلوط عامل "مرد صالح" کسی طرح نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے مخلوط
عاملوں کا مجموعہ "قوم صالح" کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی جو قوم مقابلتہً
جس درجہ کی صلاحیتیں کھو بیٹھتی ہے اوس مرتبہ کی جزا و صلاحیت سے محروم
رہتی ہے۔ اللہ پاک کے جتنے وعدے و بشارتیں خلافت ارضی و لقاء الٰہی
اور باغات و ثمرات و ازواج مطہرات وغیرہ کے متعلق ہیں وہ سب عمل صالح
سے مشروط ہیں۔ خلافت ارضی کی نعمت سے سرفراز کرنے کی نسبت قرآن پاک

بہ بانگ دہل کہتا ہے کہ :-

" اللہ کا وعدہ تم انسانوں میں سے اون کے ساتھ ہے جو ایماندار ہوکر عمل صالح کرتے ہیں کہ زمین میں اونہیں بادشاہ (خلیفہ) بنائے گا۔ جیسا کہ اون سے پہلے کے مومنین صالحین کو بادشاہ بنا چکا ہے اور اون کے دین (یعنی طرز زندگی) کو قائم و مضبوط کر دے گا اور یہ کہ اون کے تمام خوف وہراس کو (جو اون کے دشمنوں کی طرف سے چھایا رہتا ہے) امن و امان سے بدل دیگا وہ میرے قانون کی پیروی کریں گے (یعبدونی) اور میرے ساتھ کسی (خواہش نفسانی) کو شریک نہ کریں گے (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا) اس انعام و اکرام الٰہی کے بعد (جو ایمان و عمل صالح کے طفیل میں نصیب ہوا ہے) جو کوئی کفر کرے (انعامات کی ناقدری کرے۔ عمل صالح سے گریز کرے) وہی فاسق ہیں (اور اونہیں کو خلافت ارضی وغیرہ سے محروم رہنا ہے) (پ۱۸ ع ۱۳)

اگر آج یہ وعدے پورے نہیں ہو رہے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وعدے غلط ہیں بلکہ محض اس لئے کہ ہمارے تمام نیک اور اچھے اعمال، اعمال صالحہ کے مصداق نہیں ہیں۔ اور ہم باوجود بہت سی نیکیوں پر عامل رہنے کے بھی صالح نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو ہرگز ہرگز حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (پ۱ ع ۱۵) کے برابر نہ ہوتے۔ ہمارے سارے دنیاوی نقصانات جو نمایاں ہیں وہ قانون الٰہی کی لفظی نہیں معنوی تحریف کا نتیجہ ہیں۔ ایمان والے کہلا کر بھی اعمال صالحہ کو چھوڑ دینے اور موسوی مومنوں اور عیسوی مومنوں کی طرح چند اعمال خیر میں مگن رہنے کا انجام ہے۔

خدا زندہ ہے اور پھر ایسا کہ نہ کبھی سوتا نہ اونگھتا۔ بلکہ ہر وقت و ہر آن صحیح زندگی صحیح طریقہ سے چاہنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ پس اگر آج بھی ہم اپنے

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے (اقبال)

غلط تخیل اور غلط روی کو چھوڑ کر صحیح علم اور صحیح عمل پر گامزن ہوں تو خدا کی
رحمت اوس کے غضب پر (جو اندنوں ہر طرف چھایا ہوا ہے) غالب آکر
تمام انعامات سے مالا مال کر سکتی ہے۔ بس سوچو اور عمل صالح کرو تاکہ دنیا و
آخرت میں فلاح پا سکو جو عمل صالح کی مقررہ جزا ہے۔ اور اس میں کسی طرح کی
کمی نہیں ہو سکتی۔ سورۃ زیر بحث میں عمل صالح کو ایمان کی پہلی شرط کے طور پر
بیان کیا گیا ہے۔ اس کی دوسری شرط یا صلاحیت کار کا دوسرا درجہ اپنے سوا
دوسروں کو بھی عمل صالح کے لئے تیار کرنا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

تواصیٔ حق کے معنی ہیں۔ سچائیوں اور صداقتوں کی دوسروں کو وصیت کرنا
امر معروف و نہی منکر کی تبلیغ کرنا۔ اپنے کو جو کچھ معلوم ہے اوس پر خود پابند
رہتے ہوئے دوسروں کو نیک بنانے کی ترغیب دینا۔ اس ترغیب تبلیغ و
توصیۂ حق کے موقع پر دل میں صرف خدا کا خوف ہونا اور خدا کے سوا دوسری
تمام عارضی طاقتوں کے خوف سے بے نیاز ہو جانا ضروری ہے۔ ورنہ تبلیغ
کا حق ادا نہ ہو سکیگا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے :۔

تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور
اچھے کاموں کا حکم کرتی اور بُرے کاموں سے روکتی رہے۔ اور وہی ہیں فلاح
پانے والے (پ۴ ع ۲)

یہ تبلیغی کام یعنی لوگوں کو نیکیوں کا پابند بنانا اور بدکاروں کو بدکاری سے
روکنا، پیغمبرانہ کام ہے۔ خالق کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر اپنے تمام
عیش و راحت کو خیرباد کہکر ظالم و مظلوم مخلوق خدا کی خدمت میں رات دن

ہمہ تن مصروف رہنے سے بڑھکر اور کوئی کام اہم نہیں ہو سکتا۔ مظلوم کی
مدد تو ظاہر ہے کہ ظالم کے پنجۂ استبداد سے چھڑاتا ہے۔ مگر ظالم کی مدد کرنا اس
سے زیادہ ضروری اور اہم ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے بجبر روک کر آنے والے
عذاب سے محفوظ رکھا جائے۔ جو شخص یا قوم وارثِ انبیاء بنے گی اوس کو
انبیاء علیہم السلام کی طرح ہر ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا کرنا اور صبر و سکون
سے اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ اس دشوار گذار مرحلہ کا بیان
آگے ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

"تکمیل ایمان کے سلسلہ میں صبر و شکیبائی کی باہم تلقین کرنا۔" صبر کا مفہوم
کاہلی اور بے ہمتی سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنے یا کسی کی
جھڑکی و گالی کھا کر عورتوں کی طرح کوسنے اور خاموش ہو جانے والی بے غیرتی
کے مفہوم سے الگ اور اس سے بہت بلند ہے۔ صبر، تبلیغ حق میں جو مشکلات
حائل ہوں اون کو دور کرتے ہوئے اور جو مصائب ٹوٹ پڑیں اونکو برداشت
کرتے ہوئے اپنے مقصد کی تکمیل تک پہونچنے کے عزم راسخ کا نام ہے جو ایسا
کرنے کی توفیق پائے اور ہمت کرے۔ اوس کے لئے طاغوتی طاقتوں کے
جانب سے معیشت کی تنگی، جسمانی زخم، جلاوطنی کی مصیبت، سولی کا تختہ اور
آگ کا گڑھا وغیرہ (مقصد تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے) مقابل میں آتے ہیں
ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اور تکمیل مقصد کے لئے آخر وقت تک مضبوطی سے
جمے رہنا صبر ہے۔ یہ در اصل عشقِ الٰہی کے دعوے کے ثبوت کے امتحانات
ہیں۔ کوئی دعوے بغیر دلیل کے قبول نہیں ہوتا پس جو مدعیانِ ایمان اپنے

ایمان پر اوسکی تمام شرائط کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہیں۔ خدا کی مدد انھیں کو پہنچتی اور فائز المرام کراتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) کیا لوگ اس گمان میں ہیں کہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اونہیں آزمایا نہ جائے گا۔ یقیناً ہم نے اونہیں جانچا ہے۔ جو ان سے پہلے گذرے اور اب بھی اونہیں (آزمایشوں میں ڈالکر) ضرور جانچا جائے گا کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے۔ (پ ۲۰ ع ۳) و (پ ۴ ع ۵)

(۲) کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ جنت میں یونہی چلے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تو تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گذرے جو تم سے پہلے تھے۔ اون کو سختی اور تکلیف پہونچی (تمہیں بھی فائز المرام ہونے کے لئے آزمائشوں سے گذرنا ہوگا۔) (پ ۲ ع ۱۰)

(۳) اے ایمان والو۔ اس میں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بشیءٍ) دشمن کا خوف دلا دلا کر (میدان جنگ میں) بھوکوں مار مار کر مال اور جانوں میں کمی کر کر کے پیداوار کا قحط ڈالکر (الثمرات) نتائج کو خلافِ امید کر کر کے (نَقصٍ مِنَ ...... الثمرات) آزماکر رہیں گے۔ (اے محمدؐ) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو اور یہ وہ لوگ ہیں جب ان پر کوئی (اجتماعی) مصیبت آجاتی ہے تو معاً بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں اور اپنا تمامتر رجوع اوسی کی طرف کر دیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اون کے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں۔ تحسین و آفرین کے نعرے (صَلَوٰتٌ) ہیں۔ رحمت اور عنایت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنے کے لئے صحیح راہ عمل مل چکی ہے (اُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ) (پ ۲ ع ۳)

خلاصۂ بحث

اسلام وہ معتدل مذہب ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہے اور مسلم وہ لوگ ہیں جو قسط و اعتدال پر قایم رہ کر اُمت وسط کہلاتے ہیں۔

(۱) حالتِ افراط میں وہ قومیں ہیں جو خدائی انعامات سے مالامال ہونے کے بعد خوفِ الٰہی کو دل سے نکال کر آخرت سے بے پرواہ اور صرف دُنیا ہی کے جھوٹے عیش و طرب کو مقصدِ حیات سمجھتی ہیں۔ ان کی آخرت کسی طرح اچھی نہیں ہوسکتی کیونکہ خود دنیا میں بھی ان کی کوئی حقیقی عزت نہیں ہوتی۔ دن بدن ان کا وقار گھٹتا جاتا ہے اور ایک دن دُنیا بھی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے ایسے تارکِ عقبیٰ و طالبِ دنیا کی زندگی (جو محض خود پرستی و کفرانِ نعمت ہے) مردانہ نہیں بلکہ صرف مردنما ہوتی ہے۔ جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

(۲) حالتِ تفریط میں وہ قومیں ہیں جو خدا کے غیظ و غضب میں گھرے ہوئے ہوکر اپنی ذلت و مسکنت کے احساس کمتری سے دنیاوی انعام و اکرام کو غلط طور پر خدا کی لعنت سمجھتی اور خدا کے غضب سے نکلنے کی کوئی فکر نہ کرکے صرف آخرت کی نفسانی آرزوؤں میں مست رہتی ہیں۔* یہ دُنیا و آخرت دونوں جہان کے خسران میں ہیں۔

مذکورہ دونوں قسم کی اقوام یک جہانی ہیں اور اسی کم نگہی کے باعث بصیرت کے اندھے اور نفسانی اغراض کے بندے ہیں۔

(۳) تیسری حالت اعتدال طالبِ دنیا و طالبِ عقبیٰ کی ہے جو مقامِ انسانیت ہے ان کے مستحکم عزائم اور مردانہ حوصلوں کی وجہ انہیں مردِ کامل و

ہر کسی غیر از [illegible] دنیا [illegible]

عاشقاں را مذہب و ملت خدا است (عارف رومی)

* ایسے تارکِ دنیا، طالبِ عقبیٰ کی زندگی محض ایک حیوانیت اور نسوانیت کی زندگی ہے جس کا لازمی نتیجہ توہم، شرک، بدعت و [illegible]

طالب مولا کہا جاتا ہے۔ بندہ کا تعلق خالق و مخلوق دونوں سے قایم رہنا ہی خدا پرستی کی صحیح راہ ہے۔ پس مومنین صالحین وہ ہیں جو دنیا و آخرت دونوں جہان کی خوشحالیوں کے طالب و ساعی ہر لحظہ و ہر آن رہتے ہیں۔ دونوں جہان کا ایک ہی مالک و ایک ہی حاکم دل سے سمجھتے زبان سے کہتے اور ہاتھ پاؤں کے عمل سے اس کی شہادت ہر وقت دیتے ہیں۔ یہاں بھی اچھے رہنا چاہتے ہیں اور وہاں بھی۔ ان کی روحانی پاکیزگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ نفسی نفسی کے تنگ دائرہ سے ہٹکر قومی قومی، امتی امتی کے وسیع میدان میں داخل ہوجاتے ہیں۔ سب کو ایک ہی مالک و حاکم کے مساوی مملوک و محکوم سمجھتے ہیں۔ انہیں اللہ کے سوائے نہ کسی کا خوف ہوتا ہے نہ کسی سے امید۔ ان بزرگوں کی ساری زندگی لرزش قلب اور بے چوں و چرا اطاعتِ خدا میں بسر ہوتی ہے۔ اسی کا نام انسانیت کاملہ ہے جس کے چار مدارج ہیں۔

(۱) اپنی ذات سے اپنے لئے نیک ہونا۔

(۲) اپنی ذات سے دوسروں کے کام آنا۔

(۳) دوسروں کے کام آنے کے لئے دوسروں کو تیار کرنا۔

(۴) دوسروں کو تیار کرنے میں جو مصائب آئیں اون کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھنا۔ اس پاک سورۃ میں انہی چار مدارج کا ذکر اور اسی کے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اب ہر جماعت اور ہر انسان کا فرض ہے کہ اپنا صحیح مقام جان کر دونوں جہان کے خسران سے بچنے اور دونوں جہان کی خوش حالیاں حاصل کرنے میں انانیت و تکبر کو چھوڑ کر نیک نیتی سے ہمہ تن مصروف رہے۔ خالق کا مطیع ہو کر مخلوق کا مطاع بنے۔ اللہ کی رسی کو مضبوط تھام کر ظل اللہ رہے اور اوصاف خداوندی

کا حامل ہو کر خلیفۃ اللہ کہلائے۔

خداوندا! تو نے اپنے فضل سے جو فہم مجھے عطاء فرمایا تھا اوس کو میں نے
اپنے بھائیوں تک کما حقہٗ پہونچا دیا۔ نتیجہ تیرے اختیار کی چیز ہے۔ اس لئے تجھ سے
نہایت عاجزانہ التجا ہے کہ اس کو کافی اثر عطا فرما۔ زیادہ سے زیادہ لوگ موجودہ
حیوانیت و درندگی یعنی اپنی مرضی کا جینا اور اپنی مرضی کا مرنا چھوڑ کر تیری رضا کا
جینا اور تیری رضا کا مرنا سیکھیں۔ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے فسادات مٹیں اور
ہر طرف صلح و امن کا دور دورہ ہو۔ فقط آمین یا رب العالمین۔

بسلسلۂ صفحہ (۴۰)

کہ خدا تم ہی کو اس دنیا کے اندر غالب کر کے بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔ افتتاحیہ صـ۹

سب انبیاء کرام اپنی اپنی امت کو اس زمین پر امن دینے آئے تھے منصور اور
غالب کرنے آئے تھے (اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ
الْغٰلِبُوْنَ (پ۲۳ ع۹) خدا کے قانون کی پہلی اور آخری دفعہ یہی ہے کہ ایمان
بہر نوع فتح و نصرت کے مترادف اور کفر بہر حال شکست اور زوال کے ہم معنی ہے
دیباچہ صـ۱۸۔

مسلمانو! کیا آج تم لاڈلوں کے لئے اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ کلمۂ شہادت
کے چار لفظوں کو پڑھ کر مسلمان بنے رہو اور جنت کا انتظار کرو۔ خوب! قرون اولیٰ
کے مسلمانوں کے لئے جانکاہ تکلیفیں اور تمہیں بغیر تکلیف کے جنت۔ کیا اس دنیا
میں روز آخرت کے حاکم کے سوا کوئی اور حاکم حکم کر رہا ہے اور کیا اس عذاب
کو جو تم پر ہے خدا کے سوا کوئی اور بھیج رہا ہے۔ پس کیوں اس دین کی تعریف
کر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے جاتے ہو۔ آؤ آج سے قرآن پر عمل شروع کرو۔ پھر دیکھو
کہ خدا کی رحمت کیا رنگ لاتی ہے۔ (افتتاحیہ صـ۹)

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا — تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے (اقبال)

اقتباسات

مجتہد العصر امیر جماعت اسلامی محترم سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا کلمہ حق

صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ اور ذکر وتسبیح انسان کو اوس بڑی عبادت کیلئے مستعد کرنے والی تمرینات (مشق) ہیں جو انسان کی زندگی کو حیوانی زندگی کے ادنیٰ مقام سے اٹھا کر انسانی زندگی کے بلند ترین مقام پر لیجاتی اور دنیا کے معاملات میں اسپنے مالک کا مطیع و فرمانبردار بندہ بنادیتی ہے۔ جب انسان عبادت کے اس مرحلہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دنیا میں بالفعل خدا کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کو خدا کے سوا کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت نہیں دیجاتی وہ خدا کا محکوم اور سب کا حاکم ہوتا ہے ..... کیا عبادت اسی کا نام ہے کہ کفار چار دانگ عالم میں شیطانی فتوحات کے ڈنکے بجاتے پھریں۔ دنیا میں اونہی کا علم پھیلے۔ اونہی کی حکمت کارفرما ہو۔ انہی کا قانون مدراج پائے۔ انہی کی تلوار چلے۔ انہی کے آگے بندگانِ خدا کی گردنیں جھکیں اور تم خدا کی زمین اور خدا کی مخلوق کو اون کے لئے چھوڑ کر نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے اور ذکر وشغل کرنے میں منہمک ہو جاؤ اگر عبادت یہی ہے جو تم کر رہے ہو تو پھر یہ کیا ہے کہ عبادت تم کرو اور زمین کی حکومت وفرمانروائی دوسروں کو ملے۔ کیا معاذ اللہ خدا کا وہ وعدہ جھوٹا ہے جو اوس نے قرآن میں تم سے کیا تھا (کہ زمین میں بادشاہ بنائیگا) لیستخلفنھم

فی الارض (پ۱۸ ع۱۳) اگر خدا اپنے وعدہ میں سچا ہے اور اگر تم کو زمین
کی خلافت حاصل نہیں ہے تو تم کو سمجھنا چاہیئے کہ تم اور تمہاری قوم عبادت گزار
نہیں بلکہ تارک عبادت ہے اور اسی ترک عبادت کا وبال ہے جس نے تم کو
دنیا میں ذلیل کر رکھا ہے۔ (رسالہ ترجمان القرآن ربیع الثانی ۵۴ھ مطابق
جولائی ۳۵ء)

یہود و نصاری کی طرح مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ محض
گروہ اہل اسلام میں نام اور خاندان اور چند ظاہری اشکال و مراسم کے اعتبار
سے شامل ہو جانا ہی مسلمان ہونا ہے اور اس لحاظ سے جو لوگ اس گروہ میں
شامل ہیں وہ ان لوگوں پر شرف رکھتے ہیں جو اس لحاظ سے ان میں شامل نہیں
ہیں۔ (ترجمان القرآن محرم ۵۳ھ مطابق مارچ ۳۴ء)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نرالا پیغام لے کر نہیں آئے ہیں جو پہلے کبھی پیش
کیا گیا ہو (پ۲۶ ع۱) بلکہ آپ کا پیغام وہی ہے جو ہر نبی نے ہر قوم تک ہر زمانہ
میں پہونچایا ہے۔ (پ۱۵ ع۲) مذاہب عالم میں جو کچھ حق اور صدق پایا جاتا ہے
وہ اسی اصل اسلام کے بچے کچھے اثرات ہیں جو اختلافات کے باوجود باقی رہ
گئے ہیں اور جس مذہب میں اس باقیماندہ حق کی مقدار جتنی زیادہ ہے اوس میں
اتنا ہی زیادہ "اسلام" موجود ہے۔ (ترجمان القرآن صفر ۱۳۵۳ھ مطابق
جون ۳۴ء)

مسلمان کوئی پیدائشی لقب نہیں ہے بلکہ اسلام کی راہ پر چلنے والے کا
اسم صفت ہے جو شخص اسلام کی راہ سے ہٹ کر کسی دوسری راہ پر چلے اوس کو
مسلمان کہنا اس لفظ کا بالکل غلط استعمال ہے۔ (تفہیمات مودودی صاحب
صفحہ ۱۲۹)

قرآن اور سیرت رسول اللہ صلعم کو دیکھیے آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا کے قانون
میں جانبداری کہیں نہیں ہے۔ جو اس قانون کے خلاف چلیگا خواہ وہ مومن ہی
کیوں نہ ہو مصیبت میں ڈالا جائے گا۔ اور جو اوسکی شرائط پوری کرے گا خواہ وہ کافر و
مشرک ہی کیوں نہ ہو غالب اور فتحیاب ہوگا۔ صحابہ کرام جیسی کامل الایمان جماعت
بھی مشرکین سے متعدد مرتبہ شکست کھا گئی اور وہ بھی کس حالت میں؟ جبکہ خود
رسالت مآب صلعم اون کے درمیان موجود تھے اور قیادت فرما رہے تھے جنگ
احد میں صرف اتنا ہی قصور تو ہوا تھا کہ مومنوں کے دلوں میں مال کی محبت آ گئی
اور انہوں نے اپنے سردار صلعم کے حکم کی خلاف ورزی کر ڈالی۔ نتیجہ کیا ہوا؟
پتھر کو پوجنے والے چیرہ دست ہوگئے اور خود رسول خدا زخمی ہوئے (پ۴ ع)
جنگ حنین میں صرف اتنی ہی کوتاہی تو ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز
ہوگیا تھا۔ قانون فطرت نے اس کی سزا یہ دی کہ مشرکین کے مقابلہ میں ان کے
پاؤں اُکھاڑ دیئے۔ (پ۱۰ ع ۱) جو خدا ایسے بے لاگ قانون کے ساتھ اس
کائنات پر حکومت کر رہا ہے اگر اوس سے آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ اہل ایمان
کی صفات سے عاری ہونے کے بعد بھی وہ آپ کی حمایت کرے گا۔ اور اون
مشرکین کے مقابلہ میں آپ کو ثابت قدمی بخشیگا جو اوس کے قانون طبیعی کی شرائط
آپ سے زیادہ بہتر طریقہ پر پوری کر رہے ہیں تو میں آپ کی خدمت میں صرف
اتنا ہی عرض کرونگا کہ آپ عقل سلیم اور علم قرآن دونوں سے محروم ہیں (مسلمان
اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول صفحہ ۱۳۲)

ایماں کہ تو اعلون بانی بہ زمیں (مشرقی)

دیں است بدنیا زتمکن ماندن

امام الاحرار شیخ فاضل حضرت ابو الکلام آزاد کا اعلان حق

نزول قرآن کے وقت دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب عموماً صرف

اوس کے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے۔ ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ
نجات سے محروم ہے (پ۱ ع۱۱ و ۱۳) لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں یہ اعمال و
رسوم دین کی اصلی حقیقت نہیں ہیں بلکہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچہ
ہیں۔ روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے۔ اصل دین ایمان و عمل صالح یعنی ایک
خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے
(پ۲ ع۲ و پ۳ ع۹ و پ۷ ع۱۰) اس میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اختلاف
اعمال و رسوم میں ہوا جو فروع ہیں۔ صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸ (تفسیر ترجمان القرآن حصہ اول)

تحویل قبلہ کے معاملہ میں قرآن نے صاف کہا کہ تم ان ظواہر کو اسقدر اہمیت
کیوں دیتے ہو؟ یہ نہ تو حق و باطل کا معیار ہیں اور نہ مذہب کی اصل و حقیقت
دین محض ان باتوں میں نہیں دھرا ہے کہ کوئی عبادت کے وقت مغرب کی طرف
منہ کرلیا یا مشرق کی طرف۔ (پ۲ ع۶)۔ اصل دین تو خدا پرستی و نیک عملی ہے۔
صفحہ ۱۳۵۔ (تفسیر ترجمان القرآن حصہ اول)

قرآن کہتا ہے (مسلمانو یاد رکھو نجات اور سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر
موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی
بھی برائی کرے گا اوس کا نتیجہ اوس کے سامنے آئیگا۔ اور پھر نہ تو کسی کی دوستی
اوسے عذاب الٰہی سے بچا سکیگی اور نہ کسی طاقت کی مددگاری (پ۵ ع۱۵)

قرآن کریم نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول
پیش کیا اوس نے صاف صاف کہدیا کہ اصل کے اعتبار سے تمام مذاہب سچے
ہیں کیونکہ سب کا اصلی دین ایک ہی ہے۔ لیکن تمام پیروان مذاہب عمل کے اعتبار
سے جھوٹے ہیں۔ کیونکہ سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں۔ صفحہ ۱۶۴، ۲۰۶ دین حقیقی جماعتی
حد بندیوں کے امتیازات سے پاک ہے۔ صفحہ ۱۶۵ (تفسیر ترجمان القرآن حصہ اول)

قرآن سب مذاہب کی تصدیق کرتا تھا اور پیروان مذاہب کا اس وحدت کو ماننا اونکی گروہ پرستی پر شاق گزرتا تھا۔ ص۱۶۱ قرآن سے اونکی مخالفت اس لئے نہ تھی کہ وہ انہیں جھٹلاتا کیوں ہے۔ بلکہ اس لئے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟ ہر مذہب کا پیرو چاہتا تھا کہ وہ صرف اوسی کو سچا کہے اور باقی سب کو جھٹلائے۔ چونکہ وہ یکساں طور پر سب کی تصدیق کرتا تھا اس لئے کوئی بھی اوس سے خوش نہیں ہوسکتا تھا۔ ص۱۶۱

فطرت کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصہ میں انعام آتا ہے اور نافرمانوں کے حصہ میں غضب۔ ص۱۶۹ وہ کھول کھول کر بتلاتا ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت وکامرانی اچھے اعمال کا انعام تھے اور مغضوب وگمراہ جماعتوں کی شقاوت ومحرومی بدعملیوں کی پاداش تھی۔ قرآن اچھے نتائج کو انعام کہتا ہے کیونکہ یہ فطرت الٰہی کی قبولیت ہے۔ اور برے نتائج کو غضب کہتا ہے۔ کیوں کہ یہ قانون الٰہی کی پاداش ہے۔ ص۱۷۲ (تفسیر ترجمان القرآن حصہ اول)

داعی تنظیم امیر خاکساران حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی کا لرزہ فگن نعرۂ حق

از کتاب تذکرہ مطبوعہ سنہ ۱۳۴۲ھ سنہ ۱۹۲۴ء

صدر اسلام میں ختم رسل صلعم کا لایا ہوا دین بلا اختلاف قوم و مذہب بھائی چارہ تھا کسی دین کو برا بھلا کہہ کر اپنا دشمن بنا لینا اوس اسلام کا نصب العین ہرگز نہ تھا۔ اسی بلند نگاہی کے باعث اس دین میں مقناطیس کی جاذبی کشش پیدا ہوگئی تھی۔ دین کو لوگ فرقہ بندی نہ سمجھتے تھے۔ نصرانیوں اور یہودیوں کے بالمقابل محمدی بننا اکثر نہ جانتے

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

تھے۔ اون کے پیش نظر صرف قانون خدا کا عملاً مطیع بننا تھا۔ مسلم بننا تھا۔ آج بھی جو قومیں
اس الاسلام، اس دین محمدؐ۔ اس مذہب خدا اور راہ مالک الملک کے عشر عشیر پر بھی
صحیح معنوں میں عمل پیرا ہیں وہی آج فطرت کے خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہیں۔ اَنْعَمْتَ
عَلَیْهِم کی مصداق ہیں۔ دیباچہ ص۳۵۔

۲ ۔ قرآن کی توحید یہ ہے کہ دل کے اندر کسی ماسوا سے تعلق نہ رہے قلب
کے اندر اولاد اور بیویوں کے بت۔ حکام سے غرضمندی کے بت۔ تن آسانی اور
حب جاہ کے بت نہوں۔ شیطان کا کچھ غلبہ نہ ہو۔ جو شخص چوبیس گھنٹہ اس توحید کو نباہ
رہا ہے وہی موحد ہے! اور جس وقت اس نے حکم خدا کو چھوڑ کر کوئی بت اپنے دل کے
اندر پیدا کر لیا اوسی وقت اوس کا ایمان ساقط ہے وہ صحیح معنوں میں مشرک ہے
دیباچہ ص۳۸۔

۳ ۔ اگر آج مسلمانوں نے لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (پ ع ۱۱) کی روح فرسا
مگر بادشاہ گر توحید کو لَا تُشْرِكْ بِيْ حَجَرًا کی آرام دہ مگر محکوم کن توحید سے بدل دیا
ہے اور خدا کو منہ سے ایک ایک کہتے رہنا ہی اپنی زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں تو
سمجھتے رہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ خدا بھی وہ خیر الماکرین خدا ہے کہ آج اون سے ان کے
مکر کا دردناک بدلہ اونکی پوری امت سے لے رہا ہے۔ وہ اعتقادات کو کچھ نہیں
دیکھتا اوسکی تمام تر توجہ اسی بات میں صرف ہوتی ہے کہ کام کیا ہو رہا ہے۔ دیباچہ ص۱۲۴

۴ ۔ اسے آجکل کے شریعت پر چل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانیوالے مسلمانو! جو اس
گمان میں ہو کہ دنیا جہان کو چھوڑ کر خدا کی دوستی تمہیں ہی میسر ہے۔ دیکھو تمہاری عظمت
و بزرگی فنا ہوگئی۔ تمہاری حکومت اور سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اللہ نے تم کو
ایسا ہلاک کر ڈالا کہ اب صرف کہانیاں رہ گئیں۔ کیا تم اس گمان میں ہو کہ تم خدا کے اون
نیک بندوں کی جو تم سے پہلے گزر چکے پیروی کر رہے ہو۔ تاریخ کے صفحات اون کے

اہل حق را زندگی در قوت است   قوت ہر ملت از جمعیت است (اقبال)

اعمال اور حسن احوال سے پر ہیں۔ دنیا تمامتر اونکی تھی۔ علم اور نور اون کا تھا۔ جاہ و
جلال اون کا تھا وہ فرمانبرداری اور عمل کے مجسمے تھے۔ صرف کہدینے اور خیالی
پلاؤ پکانے سے نفرت کرتے تھے۔ اون کے ایمان کی تصدیق۔
اون کے سراپا عمل اور اطاعت سے تھی۔ غلبہ اور سلطنت کا نور ان کے آگے آگے
دوڑ رہا تھا۔ (پ۲۶ ع ۱۸) وہ آپس میں بڑے رحمدل اور کافروں پر بڑے سخت تھے
(پ۲۶ ع ۱۲) ہاں اے آجکل کے رسمی اور سطحی مسلمانو! مجھے بتلاؤ کہ کیا آج تم سب پر
غالب (الاعلون) ہو۔ اور پھر بتلاؤ کہ کیا تم مومن ہو تمہارا پہلے مسلمانوں کے
ساتھ جو ہردم آگے بڑھ رہے تھے کیا جوڑ اور کیا رشتہ ہے۔ یاد رکھو کہ آگے
بڑھنے والے ہی میدان مارتے ہیں اور صرف وہی منظور نظر و مومن ہیں۔ (پ۲۷ ع ۱۴)
تم نے اوس سبق کو بھلا دیا جو کبھی تم کو خوب یاد تھا۔ پس خدا بھی تم کو بھول گیا اور
دنیا سے ملیامیٹ کر دیا۔ حالانکہ اس نے کہدیا تھا کہ مومنوں کو فتح دینا میرے
ذمہ ہے۔ (پ۲۱ ع ۸)۔
اے کم عقلو! مجھے بتلاؤ کہ اگر تم اس دنیا میں سب سے گھاٹے میں رہے تو آخرت
میں تمہیں کیا ملسکتا ہے (پ۸ ع ۱۵) و (پ۱۶ ع ۶) بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہی دنیا
ہمارے پہلے مسلمانوں پر کیوں عاشق تھی، کیوں ان کی طرف جھکی۔ جواب دو کہ
رسول خدا کو ہدایت اور دین دیکر کس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ کیا یہ نہ تھا کہ
اس دین کو تمام دنیا کے دینوں پر غالب کر دے خواہ کافروں کو برا ہی کیوں
نہ لگے۔ (پ۱۰ ع ۱۱) و (پ۲۶ ع ۹) اچھا یہ بتلاؤ کہ قرآن میں جہاد، ہجرت، رمضان
میں بھوکا رکھنے، پنجوقتہ مسجد میں جمع کرنے، سال میں ایک مرتبہ حج کرانے، زکوٰۃ
کو بیت المال میں جمع کرنے، اپنے سردار کی فرمانبرداری پر بار بار زور دینے اور
شیطان کے کہے پر چلنے کی ممانعت کرنیکی غرض سوائے اس کے کچھ اور ہو سکتی تھی

باقی بر صفحہ (۳۳)

مصنف کتاب ہذا کی دیگر قابل دید تصانیف

(۱) نعرۂ اتحاد ۔ قرآن پاک و حدیث کی روشنی میں فرقہ بندی کے نقصانات سے بالاتر ہوکر اپنے کو اچھا اور دوسرے کو برا سمجھنے کی ذہنیت کو ترک کرکے درحسن عمل سے ایک و نیک بنکر جنت کا استحقاق حاصل کرنے کی حقیقت دلنشین پیرایہ میں بیان کی گئی ہے قیمت ۴ ر

(۲) صلا ٔ عمل ۔ الفاظ ۔ ایمان اسلام نفاق ۔ کفر ۔ شرک ۔ توحید تفریق وغیرہ کی تشریح (بحوالہ آیات شریف و احادیث لطیف) کرکے حسن اعلیٰ کی دعوت نہایت موثر انداز میں دی گئی ہے قیمت ۸ ر

(۳) حقائق ۔ انقلاب انگیز فارسی رباعیات مشرقی کا اردو ترجمہ نعمت سود طبقہ کو احکام اسلام سے واقف کرانے اور ان میں سابقہ زندگی کی روح پھونکنے کیلئے نہایت مفید و کارآمد ۔ قیمت ۲ ر

(۴) اسلام اور تلوار ۔ اس امر کی واضح تشریح کہ کیا واقعی اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور واقعۂ اسلام کے پھیلانے میں تلوار کو کیا درجہ حاصل ہے؟ اور اسکی حقیقی اہمیت کیا ہے قیمت ۲ ر

(۵) زیر طبع کتب ۔ انسان اور اس کا تنزل ۔ تلاوت قرآن کا مروجہ طریقہ ۔ توبہ کی حقیقت ۔ جنت کی کنجی ۔ تقدیر و تدبیر ۔ آئینہ جبرت (اقتباس دیباچہ تذکرہ مشرقی) تفسیر سورۂ والتین ۔ عرفان کی حقیقت میرے تاثرات ج ۔ خطبات جمعہ و عیدین اردو زبان ملکی ۔